ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

بیاد

مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

فروری 2017ء جمادی الاول ۱۴۳۸ھ

- مخلوط نظام کا خاتمہ
- امام اعظم رضی اللہ عنہ بحیثیت محدث
- خرید و فروخت کے معاملات اور تحقیق رضا
- امام احمد رضا کردار و عمل کے آئینے میں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

جلد ۲۵ / فروری ۲۰۱۷ء / جمادی الاول ۱۴۳۸ھ شمارہ ۲۳۵

قیمت فی شمارہ:-/30 روپے سالانہ چندہ-/400 روپے

مرکزی مجلس رضا

خط و کتابت اور ترسیل زر اور ملنے کا پتا:

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور

Email:muslimkitabevi@gmail.com, 042-37225605, 0321-4477511

مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور 0333-4701081

قصائد رضویہ فارسی کی مختصر شرح

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاْساً وَّنَاوِلْھَا

اَلَا یَا اَیُّھَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاْساً وَّ نَاوِلْھَا — کہ بَر یَادِ شہِ کَوثر بِنا سازیم مَحْفِلھا

ترجمہ: اے ساقی جام کو گردش میں لایئے اور ہاتھ بڑھا کر عطا کر دیجئے، کہ ہم شاہ کوثر کی یاد میں محفلوں کو سجائے ہوئے ہیں۔

حلِ مفردات: الساق: شراب پلانے والا☆ ادر: ادار یدیر ادارۃ سے فعل امر گھومنا، گھمانا☆ ناول: ناولہ مناولۃ الشی، ہاتھ بڑھا کر دینا۔

بلا بارید حُبِّ شیخ نجدی بَر وہابیہ — کہ عشق آساں نمود اول ولے اُفتاد مُشْکِلْھا

ترجمہ: شیخ نجدی کی محبت نے وہابیہ پر مصیبت برسادی کیونکہ عشق ابتداءً آسان دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔

حلِ مفردات: بلا: مصیبت☆ حب: محبت☆ نمود: نمودن مصدر سے دکھانا ماضی مطلق۔ دکھاوٹ، علامت، خوبی۔☆ مشکلہا: مشکل کی جمع، کٹھن، دشواری۔

وہابی گرچہ اِخفا می کند بغض نبی لیکن — نِہاں کَے ماند آں رازے کزو سازَند مَحفِلہا

ترجمہ: وہابی اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت کو چھپاتا ہے مگر وہ راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے جس کے لئے وہ محفلیں تیار کرتے ہیں۔

حلِ مفردات: اخفا: چھپانا، پوشیدہ کرنا☆ بغض: کینہ، عداوت☆ محفل: آدمیوں کے جمع ہونے کی جگہ۔

امام احمد رضا کردار و عمل کے آئینے میں

مولانا اختر حسین فیضی

امام احمد رضا قادری بریلوی حنفی علیہ الرحمہ ایک ممتاز عالمِ دین، مستند صاحبِ تصنیف، صاحبِ نسبت بزرگ، قابلِ قدر پیرِ طریقت اور بے لوث داعیِ حق کی حیثیت سے چودہویں صدی ہجری میں اسلامیانِ ہند پر چھائے رہے اور اپنی دینی و ملّی خدمات کی وجہ سے آج بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اندر اتنی صلاحیتیں جمع کر دی تھیں کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مختلف النوع صلاحیتوں کے مالک تسلیم کیے گئے۔ علم وحلم، زہد وتقویٰ، عزم وعزیمت اور فکر وبصیرت آپ کے نمایاں صفات ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک بڑی خوبی جو آپ کی ذاتِ گرامی میں نمایاں تھی، وہ آپ کا بلند کردار اور حسنِ اخلاق تھا۔ حسنِ اخلاق کے تعلق سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

> ''کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں، جو اپنے اہل وعیال پر مہربان ہو۔'' (ترمذی) بردباری، وقار، سنجیدگی اللہ کو پسند ہیں۔ (مسلم) قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار چیز اچھا خلق ہوگا۔ (ترمذی) قیامت کے دن وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا۔ (ترمذی)
>
> (دینِ مصطفیٰ، ص:۴۷۵، از: علامہ محمود احمد رضوی)

یہ احادیثِ کریمہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حسن اخلاق اور عظمت کردار انسان کو بلندیوں کی راہ دکھاتا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ انسان محبوبیت کی منزل پالیتا ہے۔

جب ہم امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کے اخلاق وکردار کا جائزہ لیتے

ہیں تو اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ اور فرموداتِ عالیہ کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ آپ کی زندگی کے چند گوشے پیش کر رہا ہوں، جن سے آپ کی بلندی کردار پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

قناعت: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص خوش نصیب ہے جو اسلام لایا اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے دیا اس پر قناعت کرتا ہے۔[مسلم]

اب اس حدیث کی روشنی میں امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ واقعہ پڑھیں اور غور کریں کہ آپ کے اس عمل میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا نفیس عکس نظر آ رہا ہے۔

مہدی حسن میاں سجادہ نشیں سرکار کلاں مارہرہ شریف نے فرمایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے پاس ایک خط بھیجا جس کا جواب تاخیر سے آیا، اس میں آپ نے تاخیر کا سبب یہ بیان کیا کہ فقیر کی عادت ہے کہ اپنی ضروریات کے مطابق تھوڑے روپے رکھ لیے، باقی زنان خانہ میں بھیج دیے۔ آپ کے گرامی نامہ کی وصولی سے پہلے وہ روپے خرچ ہو چکے تھے اور گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی، اور میں اپنی ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا۔

(حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۸۵، رضا اکیڈمی، ممبئی)

یہ ہے آپ کے توکل اور قناعت کا بلند معیار کہ زنان خانہ سے ضرورت بھر رقم حاصل کر سکتے تھے، لیکن یہ بھی گوارا نہ کیا اور اتنی ہی رقم پر اکتفا کیا جتنی کہ ہر مہینے اپنے لیے مخصوص کی تھی۔

سخاوت: کرم اور سخاوت کے تعلق سے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا کبھی نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال ہوا ہو تو آپ نے جواب میں ''نہیں'' فرمایا ہو۔ (ریاض الصالحین)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کبھی بھی سائل کے سوال پر آپ کی زبانِ مبارک سے لفظ ''نہیں'' نہیں نکلا، اگر آپ کے پاس وہ چیز ہے تو عطا فرمائی ورنہ قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرمائی۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابنِ آدم تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ (ریاض الصالحین)

پہلی حدیث میں بیان کیا گیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں جاتا اور دوسری حدیث میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی زندگی کا معیار حدیثِ رسول کو بنایا۔ سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ صاحب کا بیان ہے کہ کاشانۂ اقدس (کاشانۂ اعلیٰ حضرت) سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرونِ شہر بھی بذریعۂ منی آرڈر رقومِ امداد روانہ فرمایا کرتے تھے...... انہیں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضرورت مند صاحب حاضرِ خدمت ہوئے، حضور نے ارشاد فرمایا: اس وقت میرے پاس صرف ساڑھے تین آنے پیسے ہیں اور وہ بھی بعض خطوط کے جوابات کے لیے رکھے تھے۔ اگر آپ فرمائیں تو حاضر کر دیے جائیں۔ حالانکہ آج ڈاک سے ایک منی آرڈر ڈھائی سو روپے کا آیا تھا اور وہ سب تقسیم کر دیے گئے۔ پہلے سے آپ آ جاتے تو آپ کو بھی مل جاتا۔ ان بے چارے نے آب دیدہ ہو کر نظر نیچی کر لی اور حضور نے وہ ساڑھے تین آنے ان کے حوالے کر دیے۔

یہاں بھی یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضور نے ڈھائی سو روپے کے آنے اور تقسیم ہو جانے کا ذکر کیوں فرمایا؟ نہ اس خیال سے کہ عوام مخیر جانیں، نام ونمود کو تو اس دربارِ عالی میں کوئی ذکر ہی نہ تھا، حقیقتاً یہ بات تھی کہ ڈھائی سو روپے ہم خدّام

کے سامنے آئے تھے۔ اس لیے بعض لوگوں کے وسوسہ رفع کرنے کو خلافِ معمول یہ بیان فرمایا، اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی، بارہا دیکھا گیا کہ جس وقت کوئی رقم آئی بہ کوشش اسے اپنے پاس سے خرچ کر دیا کرتے۔

(حیاتِ اعلیٰحضرت، ج:۱، ص:۱۸۲-۱۸۱، رضا اکیڈمی، ممبئی)

جناب ذکاء اللہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ سردی کا موسم تھا، بعد مغرب اعلیٰ حضرت حسب معمول پھاٹک میں تشریف لا کر سب لوگوں کو رخصت کر رہے تھے، خادم کو دیکھ کر فرمایا: آپ کے پاس رزائی نہیں ہے؟ خادم خاموش ہو گیا۔ اس وقت جو رزائی اعلیٰ حضرت اوڑھے تھے خادم کو اتار کر دے دی، اور فرمایا کہ اوڑھ لیجیے۔ خادم نے بصد ادب قدم بوسی کی اور حضرت کے فرمانِ مبارک کی تعمیل کی اور رزائی اوڑھ لی۔ انہیں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جب رزائی مجھے عنایت فرمائی، اس کے دو تین دن بعد حضرت کی نئی رزائی تیار ہو کر آ گئی۔ اوڑھے ہوئے چند روز ہی گزرے تھے کہ مسجد میں ایک مسافر صاحب رات کے وقت آئے اور اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ اوڑھنے کو نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے وہی نئی رزائی ان صاحب کو عطا کر دی۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۱۷۴)

تواضع: تواضع اور انکساری اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اندر حد سے زیادہ تھا، حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں مارہروی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس میں میرے اصرار پر بیان فرمایا، مگر اس طرح کہ حاضرینِ مجلس سے فرماتے: میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں۔ آپ حضرات مجھ سے مسائلِ شرعیہ دریافت فرمائیں۔ ان کے بارے میں جو حکمِ شرعی میرے علم میں ہوگا، ظاہر کر دوں گا، چوں کہ بعدِ سوال اسے ظاہر کر دینا حکمِ شریعت ہے۔

حضرت سید صاحب موصوف نے فرمایا کہ ایک بار میرے اصرار پر مولانا (امام احمد رضا قدس سرہ) نے مزار صاحب البرکات پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مولفہ مولود شریف ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' بھی پڑھا ہے۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کہتے ہیں کہ تواضع وانکساری کی حد ہے، اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کو لوگ شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں۔ آپ ایک مرتبہ اعتکاف میں تھے، ملازم بعد مغرب پانی دیر سے لایا جو بچہ تھا، حضرت نے اسے چپت مار کر فرمایا، اتنی دیر میں لایا، پھر سحری کے وقت سحری کھا کر مسجد کے دروازے پر تشریف لائے اور اس بچے کو بلوایا، جو شام کو پانی دیر میں لایا تھا، اور فرمایا کہ شام کو غلطی ہوگئی تھی جو میں تمہیں چپت ماری۔ دیر سے بھیجنے والے کا قصور تھا۔ لہٰذا تم میرے سر پر چپت مارو، اور ٹوپی اتار کر اصرار کرنے لگے۔ وہ بچہ پریشان، ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، حضور! میں نے معاف کیا۔ فرمایا تم نابالغ ہو، تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں، تم چپت مارو، مگر وہ نہ مار سکا۔ بعد اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے، وہ پیسے دکھا کر فرمایا: میں تم کو یہ دوں گا، تم چپت مارو۔ مگر وہ بے چارہ یہی کہتا رہا کہ۔ حضور میں نے معاف کیا۔ آخر اعلیٰ حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سرِ مبارک پر اس کے ہاتھ سے لگائیں، اور پھر اس کو پیسے دے کر رخصت کیا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت)

تواضع کے تعلق سے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اسے بلند فرماتا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جگہ اور ارشاد فرماتے ہیں کہ میری طرف وحی بھیجی گئی کہ آپس میں تواضع اختیار کرو، کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کسی پر زیادتی کرے۔ (ریاض الصالحین)

امام احمد رضا قدس سرہ کے تواضع اور عاجزی کو جب ہم حدیثِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہو جاتا ہے کہ عاجزی اور تواضع نے آپ کو عظمت اور بلندی عطا فرمائی ہے۔

خرد نوازی: آپ چھوٹوں پر بے پناہ شفقت فرماتے اوران کے بہترین کارناموں پر انہیں خوب خوب سراہتے تھے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ساکن محلہ قرلان حلوہ سوہن فروخت کیا کرتے تھے، ان سے حضور نے کچھ حلوہ سوہن خرید فرمایا، اور یہ واقعہ پیلی کوٹھی میں قیام کے زمانہ کا ہے۔ میں اور برادرم قناعت علی شب کے وقت کام کر کے واپس آنے لگے تو حضور نے قناعت علی سے ارشاد فرمایا: وہ سامنے تپائی پر کپڑے میں جو بندھا ہوا رکھا ہے، اٹھا لائیے، یہ دونوں پوٹلیاں اٹھا لائے، حضور ان کو دونوں ہاتھوں میں لے کر میری طرف بڑھے، میں پیچھے ہٹا، حضور آگے بڑھے، میں اور پیچھے ہٹا، اور آگے بڑھے، یہاں تک کہ میں دالان کے گوشہ میں پہنچ گیا، حضور نے ایک پوٹلی عطا فرمائی۔ میں نے کہا، حضور یہ کیا؟ ارشاد فرمایا حلوہ سوہن ہے۔ میں دبی زبان سے نیچے نظر کیے ہوئے عرض کیا: حضور بڑی شرم معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: شرم کی کیا بات ہے؟ جیسے مصطفیٰ (یعنی حضور مفتی اعظم) ویسے تم۔ سب بچوں کو حصہ دیا گیا، آپ دونوں کے لیے بھی میں نے دو حصے رکھ لیے۔ یہ سنتے ہی برادرم قناعت علی نے بڑھ کر حضور کے ہاتھ سے اپنا حصہ خود لے لیا، اور دست بستہ عرض کیا: حضور! میں نے یہ جسارت اس لیے کی کہ اپنے بزرگوں کے ہاتھوں میں چیز دیکھ کر بچے اسی طرح لے لیا کرتے ہیں۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ بعدہ ہم لوگ دست بوسی کر کے مکان چلے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نے ہم لوگوں کو بہت نوازا اور ہم کچھ خدمت نہ کر سکے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱۵۳/ ۱)

ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین باری علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا۔ حسنِ اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لے کر خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دستِ مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی، اور میں کچھ بول نہ سکا، اس لیے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کر رہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے یا غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ صحیح اور بالکل صحیح نکلا۔ اور پھر اس پر انعام، اور وہ بھی ان الفاظِ کریمہ سے، میرے والد ماجد نے مجھے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا، اس لیے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں۔ حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے، جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی سے امضا فرمائے، اس میں برابر ''ولدی الاعز مولانا مولوی محمد ظفر الدین جعلہ اللہ تعالیٰ کاسمہ ظفر الدین'' سے شروع فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ) شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۵۴)

شفقت اور رحم دلی کی ایک بہترین مثال ملاحظہ فرمائیں۔ جناب سید محمود علی خاں صاحب کا کسی مریض کے زخم و آپریشن کی مفصل کیفیت بیان فرمانے پر سید قناعت علی صاحب اپنی قلبی کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت ان کے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کی گئیں، مگر ان کا اثر نہ ہوا۔ جب اعلیٰ حضرت نے ان کا سر اپنے

زانوے مبارک پر رکھ کر اپنا رومال ڈالا، فوراً ہوش ہو گیا۔ آنکھیں کھول دیں۔ اعلیٰ حضرت کے زانوے مبارک پر سر دیکھ کر جلد اٹھنا چاہا، مگر ضعف کی وجہ سے نہ اٹھ سکے، حضور نے راہِ شفقت فرمایا: لیٹے رہیے، لیٹے رہیے۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۱۵۸)

مساوات اسلامی: مساوات اسلامی کے تعلق سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ واقعہ درسِ عبرت ہے۔

ایک صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت بھی کبھی کبھی ان کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ان کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ان کے محلہ کا ایک بے چارہ غریب مسلمان ٹوٹی ہوئی چارپائی پر جو صحن کے کنارے پڑی تھی جھجکتے ہوئے بیٹھا ہی تھا کہ صاحبِ خانہ نے نہایت کڑوے تیوروں سے اس کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ ندامت سے سر جھکائے اٹھ کر چلا گیا۔ حضور کو صاحبِ خانہ کی اس مغرورانہ روش سے سخت تکلیف پہنچی، مگر کچھ فرمایا نہیں۔ کچھ دنوں بعد وہ حضور کے یہاں آئے۔ وہ اس فکر میں تھے کہ کہاں بیٹھوں، حضور نے فرمایا کہ بھائی کریم بخش کیوں کھڑے ہو، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور ان صاحب کے برابر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا، وہ بیٹھ گئے، پھر ان صاحب کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے سانپ پھنکاریں مارتا ہے اور فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ پھر کبھی نہ آئے۔ خلافِ معمول جب عرصہ گزر گیا تو حضور نے فرمایا: اب فلاں صاحب تشریف نہیں لاتے ہیں۔ پھر خود ہی فرمایا: میں بھی ایسے متکبر مغرور شخص سے ملنا نہیں چاہتا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ۱۵۲/۱)

آپ کی حیاتِ مبارکہ بلندی کردار اور حسن عمل سے بھری تھی۔ یہاں پر ان تمام واقعات کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ یہ چند شواہد پیش کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ جسے دیکھ کر آپ کے متبعین کو زندگی گزارنے کا شعور ملا۔ چونکہ آپ کے لیل ونہار مدنی

تاج دار کے بتائے ہوئے طریقہ پر گزرتے اس لیے لوگوں کے دلوں کو چھو جاتے۔ آپ کی زندگی ''الحب للہ و البغض فی اللہ'' سے عبارت تھی۔ اگر آپ کسی سے محبت فرماتے تو اس میں رضائے الٰہی کا جذبہ شامل رہتا اور اگر کسی سے دشمنی کرتے تو اس میں رضائے الٰہی کا جذبہ شامل رہتا اور اگر کسی سے دشمنی کرتے تو اس میں خوشنودی مولا کارفرما ہوتی۔ وہ جو کچھ بھی کرتے رضائے الٰہی کے لیے کرتے۔ تعریف وتوصیف کے خواہاں بالکل نہ تھے۔ ایک رباعی میں فرماتے ہیں ؎

نہ مرانوش ز تحسیں نہ مرا نیش زطن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

''یعنی: مجھے کسی کی تحسین سے خوشی ہے نہ کسی کے طعن سے غم،
اپنی تعریف سننے کا عادی ہوں نہ اپنی مذمت سے کوئی سروکار
(تمنا یہی ہے) کہ میں ہوں اور گوشۂ تنہائی ہو،
جس میں میرے چند کتابوں اور قلم ودوات کے سوا کوئی نہ ہو۔''

آپ اسلام کے سچے علم بردار اور کتاب وسنت کے ناشر وداعی تھے، اہلِ اسلام سے محبت اور دشمنانِ دین سے نفرت آپ کی شرست میں داخل تھی۔ یہ صفت آپ کی ذاتِ گرامی میں اس لیے نمایاں تھی کہ آپ سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سچے نائب اور صحیح وارث تھے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلو بھی مسلمانانِ عالم کے لیے درسِ عبرت ہے۔ اخیر میں دعا کرتے ہیں کہ پروردگارِ عالم ہمیں بھی اسلاف کے کردار وعمل پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خرید وفروخت کے معاملات اور تحقیقِ رضا

محترمہ ڈاکٹر صبا نور
(پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد)

Abstract: Transactions are part of social life. Sale and purchase are important activities of human life. Islam gives guidance for sale and purchase transactions and the life. Jurists and ulema have addressed the varieties of such transactions as the world became increasingly complex place. This article discusses the research of Imam Ahmad Raza on basics of sale and purchase and is helpful in knowing his contribution to Economics. His research can be used solving the many issues associated with contemporary business activities.

خلاصہ: معاشرتی زندگی کی بنیاد لین دین سے منسلک ہے؛ خرید وفروخت انسانی زندگی کا لازمی حصّہ ہے۔ دینِ اسلام نے خرید وفروخت کے تمام امور کو جامع اور واضح انداز میں بیان فرمایا۔ اس کے بعد علما وفقہا نے اپنے ادوار اور آنے والے مسائل کے مطابق ان امور کی تشریح کی۔ امام احمد رضا نے ''کتاب البیوع'' کے عنوان کے تحت خرید وفروخت کے تمام مسائل پر جامع اور منفرد انداز میں تحقیق کی ہے۔ عصرِ حاضر میں آپ کی تحقیقات نہ صرف قابلِ عمل ہیں، بلکہ آپ کی پیش کردہ تحقیقات کی روشنی میں تمام مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

تعارف

لین دین کی ابتدا انسانوں میں بارٹر سسٹم کے تحت ہوئی تھی۔ ابتدا میں انسان وہی اشیا بناتا جس میں اس کو مہارت حاصل تھی، پھر وہ اپنی اشیا اس شخص کو دے کر اپنی ضرورت کی مطلوبہ شے اس سے حاصل کر لیتا تھا۔ تہذیب وتمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ جہاں دوسرے شعبوں میں تیزی سے تبدیلی رونما ہوئی، نت نئی ایجادات

ہوئیں، تو لین دین کے طور طریقوں میں بھی تبدیلی آئی۔ انسان روپوں کے عوض ہر شے ضرورت کی خرید لیتا؛ بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق آج کل منڈی (Market) کی بے شمار قسمیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ جہاں اشیا کی خرید و فروخت ہوتی ہے جس میں ایک شے کے خریدنے والے اور بیچنے والے شے کا سودا کرنے کے لیے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔

دین اسلام نے ان تمام خرید و فروخت کے معاملات میں انسان کی راہ نمائی کی ہے تاکہ انسانوں کے مابین یہ معاملے قرآن و سنت کے مطابق اور بغیر کسی نزاع، جھگڑوں و فسادات کے قائم ہوں۔ اور ایک منصفانہ معاشرے کا قیام عمل میں آ سکے۔

طریقۂ کار

موجودہ تحقیقی مقالے میں کتاب البیوع (خرید و فروخت) سے متعلق چند بنیادی سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ خرید و فروخت کی شرعی حیثیت اور امام احمد رضا کی اس عقد سے متعلق بیان کردہ تحقیق میں چند مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی تحقیقات آپ کی مختلف تصانیف میں تفصیل سے موجود ہیں۔ خرید و فروخت کی تمام اقسام الگ الگ مقالے کی متقاضی ہیں۔ اس مقالے میں چند بنیادی باتیں بیان کی گئیں ہیں۔ مقالے کے آخر میں خلاصۂ تحقیق، نتائج اور عملی اطلاق درج کیے گئے ہیں۔

تحدید

کتب فقہ کا بیشتر حصّہ کتاب البیوع (خرید و فروخت) پر مشتمل ہے جس سے اس باب کی تفصیل کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام احمد رضا نے اس باب کو سہل اور منفرد انداز سے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں خرید و فروخت کا بنیادی اور جزوی سا جائزہ لیا گیا ہے؛ نیز خرید و فروخت کی شرائط اور مسائل تفصیل سے مختلف کتب فقہ میں

مذکور ہیں یہاں مقالے کی طوالت کے باعث انہیں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

اعتذار

امام احمد رضا کی خرید وفروخت سے متعلق تحقیقات آپ کی بہت سی تصنیفات میں موجود ہیں اس مقالے میں آپ کی تحقیقات کو آپ ہی کی کتب ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) کی جلد ۱۷، ''احکام شریعت''، اور ''تعلیقاتِ رضا'' سے بیان کیا گیا ہے۔

مقاصدِ تحقیق

(۱) خرید وفروخت کے معاملات کو شرع مطہرہ کے مطابق قائم کرنے کی ترغیب دینا۔

(۲) وہ باتیں جو اس عقد کو باطل وفاسد کرنے کا موجب بنتی ہیں ان کو بیان کرنا اور ان صورتوں کو منظرِ عام پر لانا۔

(۳) امام احمد رضا نے اس عقد کے قائم ہونے اور فاسد و باطل ہونے سے متعلق جو تحقیقات فرمائی ہیں عوام الناس کو ان سے روشناس کرانا۔

(۴) آپ کی بیان کردہ تحقیقات کی روشنی میں ان معاملات کے قائم کرنے کی ترغیب دینا۔ یہ تحقیقات نہ صرف قابلِ عمل ہیں بلکہ ان سے استفادہ کر کے معاملات کو شرع مطہرہ کے قوانین کے مطابق قائم کیا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ کو اس سے آگاہی دینا۔

بیع (خرید وفروخت) کا معنیٰ ومفہوم

لغت کی رو سے ایک شے کو دوسری شے سے تبادلہ کرنے کو بیع کہتے ہیں اس طرح نقدی روپے پیسے سے بھی کسی شے کا تبادلہ (بیع) ہے اس مبادلہ میں ایک شے کو مبیع (مال) اور دوسری شے کو ثمن (قیمت) کہا جاتا ہے۔[۱]

اصطلاح شرع میں بیع کے معنیٰ یہ ہیں کہ دو اشخاص کا ایک دوسرے کے مال کو مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا، بیع (خرید وفروخت) کبھی قول سے ہوتی ہے کبھی فعل سے۔ اگر قول سے ہو تو اس معاملے کے ارکان ایجاب وقبول ہیں۔ مثلاً سودا طے کرنے والے دونوں فریقین ایک دوسرے سے یہ کہیں ''میں نے بیچا، دوسرا کہے میں نے خریدا بعض اوقات یہ سودا الفاظ سے نہیں بلکہ ان کے فعل سے انجام پائے جیسے چیزوں کا تبادلہ وغیرہ۔

خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

معاملۂ خرید وفروخت مباح ہے۔قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر اس کا تذکرہ آیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ''۲؎ ترجمہ: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ؛ ہاں اگر باہمی رضامندی سے تجارت ہو تو حرج نہیں''۔ ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴿۸۷﴾ (۸۷) وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴿۸۸﴾'' ۳؎ ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کہو اور حد سے تجاوز نہ کرو، حد سے گزرنے والوں کو خدا تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اور اللہ نے جو تمہیں روزی دی ہے ان میں سے حلال طیب کو کھاؤ اور خدا سے ڈرو۔ جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

ان آیاتِ مبارکہ میں حلال طریقوں سے مال کمانے کی ترغیب دی گئی ہے اور ناجائز وحرام ذرائع سے روزی حاصل کرنے کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے تجارت

خرید وفروخت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠﴿۱۸۸﴾''۴؎ ترجمہ:''آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق مت کھاؤ اور حکام کے پاس اس معاملے کو اس لیے نہ لے کے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصّہ گناہ کے ساتھ جانتے ہوئے کھا جاؤ۔''

احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی خرید وفروخت کے معاملات کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ بے شمار احادیث نبویہ کتاب البیوع کے عنوان کے تحت کتب احادیث میں تفصیلاً موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہاں بیان کی گئی ہیں۔

خرید وفروخت میں سہولت اور عدل واحسان کی ترغیب دی گئی ہے اور جو اپنا حق طلب کرے تو سختی سے بچنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:''تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ ان تاجروں کی کمائی ہے کہ وہ بات کریں جھوٹ نہ بولیں، جب کسی شے کو خریدیں تو اس کی مذمت نہ کریں اور جب اپنی چیزیں بیچیں تو ان کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں۔ اور ان پر کسی کا کچھ آتا ہو تو دینے میں ڈھیل نہ کریں اور جب ان کا کسی کے ذمے ہو تو سختی نہ کریں۔۵؎

تجارت میں عیب چھپانا اور جھوٹ بولنا ان دونوں سے برکت چلی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:''بیچنے والے اور خریدنے والے کو یہ اختیار ہے کہ جب تک دونوں جُدا نہ ہو جائیں ، جب جدا ہو جائیں، ان میں سے ایک نے دوسرے کو اختیار دیا اور اس شرط پر بیع کا معاملہ کر لیا تو بیع واجب ہوگئی اور اگر بیع کرنے کے بعد ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بیع کا انکار نہ کیا تو بیع ہوگئی۔''۶؎

بیع (خرید وفروخت) میں دھوکہ دہی سے منع فرمایا گیا ہے۔ایک شخص نے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا کہ اس کو بیع میں دھوکہ دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب تم خرید و تو کہو کہ مجھے دھوکہ نہ دو۔ ے

خرید وفروخت کی شرائط

خرید وفروخت کا معاملہ طے کرتے وقت شریعت اسلامی کے اصولوں وقوانین کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تا کہ حلال طریقوں سے منافع حاصل کیا جا سکے۔ خرید وفروخت کے مسائل اوران کی شرائط تفصیلاً کتب فقہ میں موجود ہیں یہاں ان کا مختصر سا جائزہ لیا گیا ہے۔

بیچنے اور خریدنے والے دونوں فریقین کا عاقل و سمجھدار ہونا معاملے کی شرطِ اوّل ہے۔ پاگل بے سمجھ بچے کا طے کیا ہوا معاہدہ درست نہیں سمجھا جائے گا۔ معاملہ (خرید وفروخت) طے کرتے وقت دونوں فریقین کے درمیان جو گفتگو ہوتی ہے جس سے یہ سودا طے پاتا ہے ان کے الفاظ ایجاب وقبول میں موافقت کا ہونا لازمی امر ہے۔ ایجاب وقبول کا ایک ہی مجلس میں طے ہو جانا ضروری ہے، دونوں فریقین کا معاملے پر راضی ہونا لازمی ہے، جس شے سے متعلق سودا طے ہوا اُس کی موجودگی ضروری ہے اور بیچنے والے کا مطلوبہ شے پر قبضہ ہونا معاملے کی درستگی کے لیے لازمی ہے۔ سمجھنے اور خریدنے والے کے مابین متعلقہ شے کی قیمت کا طے ہو جانا ضروری ہے تا کہ معاملہ نزاع اور جھگڑے فساد کے بغیر قائم رہ سکے۔ ایک دفعہ سودا طے ہو جانے کے بعد فریقین کو سودے کے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ سوائے چند ایک صورتوں کے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بہارِ شریعت) خرید وفروخت کے معاملے میں خریدار بسا اوقات فوراً قیمت ادا کر دیتا ہے تو کبھی تاخیر سے ایسی صورت میں قیمت کا ایک وقت معین کر دیا جائے تا کہ دونوں فریقین کے مابین فساد ہونے کا اندیشہ نہ ہو جو معیاد فریقین مقرر کریں اس کی پابندی کرنا

دونوں پر لازم ہے۔۸؎

چیزوں کے تبادلے میں ناپ اور تول سے بھی بیع (خرید و فروخت) ممکن ہے، لیکن اس صورت میں دونوں اشیا کا وزن میں برابر ہونا لازمی ہے۔

تحقیق رضا

امام احمد رضا نے علم معاشیات کے مختلف معاملات کی طرح خرید و فروخت کے مسائل کو نہایت ہی دقیق اور منفرد انداز سے بیان کیا ہے اور بیع کی تمام اقسام پر جامع انداز میں تحقیقات پیش کیں ہیں۔ اور ان میں موجود وہ تمام قباحتیں جو شرعی اعتبار سے اس معاملے کو ناقص کر دیتی ہیں جن کی وجہ سے یہ معاملہ باطل و فاسد ہونے کا اندیشہ ہے ان کی تفصیل آپ کی تصنیفات میں ملتی ہے۔

بیع (خرید و فروخت) اور لین دین کے معاملات امام احمد رضا نے تملیک کے موضوع کے تحت بیان کیے ہیں۔ ہبہ، اجارہ، خرید و فروخت یہ سب عقود تملیک بلاعوض کی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ خرید و فروخت جو اس تحقیقی مقالے کا موضوع ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں یہ تملیک بلاعوض ہے ۹؎ خرید و فروخت کے معاملے کو طے کرتے وقت دونوں فریقین بیچنے اور خریدنے والے کے مابین جو حتمی گفتگو ہوتی ہے ان الفاظ کو شرع میں ایجاب و قبول کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ جو الفاظ ہوتے ہیں جن سے کوئی بھی معاملہ یا سودا طے پاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شے کا مالک کسی دوسرے شخص کو کر دیا اور بدلے میں قیمت وصول کر لی گئی۔ بیچنے والے کے کلام کو ایجاب اور خریدنے والے کے کلام کو قبول کیا جاتا ہے۔ یہ الفاظ کسی بھی زبان میں استعمال ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے لیے مستقبل کا صیغہ استعمال نہ کیا جائے، مثلاً کسی ایک شخص نے کہا میں یہ شے بیچتا ہوں، دوسرا کہے میں خریدوں گا۔ ان میں مستقبل کا صیغہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ صیغہ خرید و

فروخت کے معاملے میں استعمال نہیں ہونا چاہیے۔۱۰؎

معاملۂ خرید وفروخت میں جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں بعض اوقات یہ سودا ان الفاظ کے بغیر بھی طے پا جاتا ہے؛ بلکہ دونوں عاقدین کے مابین جو گفتگو ہوتی ہے وہ گفتگو ہی اس معاملے کے قبول یا طے ہوجانے کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس میں دونوں (شے کی) قیمت مقرر کر لیتے ہیں اور کسی کاغذ پر ثبوت کے طور پر بیع نامہ لکھا جاتا ہے۔۱۱؎ الفاظ جیسے بیچنے والے کا یہ کہنا کہ میں نے یہ شے بیچی خریدار کا یہ کہنا کہ میں نے قبول کیا یا جس نے خرید لیا یہ الفاظ معاہدے کی درستگی یا معاہدے کے قائم ہونے کے لیے لازم وملزوم نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دونوں فریقین بیچنے اور خریدنے والا اس سودے پر اپنی رضامندی کا اظہار کریں اور ان کی رضامندی ہی معاہدے کے قائم ہونے کی دلیل ہے اور یہ رضامندی ان کے قول سے ظاہر ہو یا ان کے فعل سے، قابل قبول سمجھی جائے گی بعینہٖ الفاظ اہمیت کے حامل نہیں۔ الغرض دونوں عاقدین زبان سے اس معاملے کے لیے کوئی مخصوص الفاظ ادا نہ بھی کریں لیکن ان کے فعل سے ان کی رضامندی کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا معاملے درست سمجھا جائے گا۔۱۲؎

امام احمد رضا فرماتے ہیں۔ خرید وفروخت کا معاملہ طے ہوجانے کے بعد دونوں عاقدین میں سے کسی ایک کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ خریدی ہوئی شے میں کوئی عیب ہو یا وہ کوالٹی کے اعتبار سے ناقص ہو یہ بیع (خرید وفروخت) طے ہو چکی ہے۔ اب بیچنے والے پر لازم ہے کہ وہ شے کی قیمت لے کر خریدار کی ملکیت میں دے فروخت کنندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ خریدار جب تک شے کی قیمت ادا نہ کرے، شے اس کی تحویل میں نہ دے شرع مطہرہ کے اعتبار سے یہ بھی قاعدہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی سودا طے پا جائے خریدار اس شے کی کل قیمت

میں سے کچھ ادا کر دے یا قیمت دینا بعد میں قرار پائے، یا کچھ اقساط ادا کر دے۔ بیچنے والا خریدار کو اس شے کا مالک کر دے تب خریدار اس متعلقہ شے کو اپنی تحویل میں لے کر اس سے منافع حاصل کر سکتا ہے، خواہ وہ کرائے پر دے کر حاصل کرے یا اپنے استعمال میں لا کر، منافع خریدار کا حق ہے۔ ۱۳؎

فاسد و باطل کی بحث اور امام احمد رضا

کوئی بھی معاملہ جو شرع مطہرہ کے مطابق قائم نہ ہو اور جو اصول اور باتیں شریعت اسلامی نے بیان کی ہیں اور وہ معاملہ ان اصولوں سے انحراف کرتا ہو تو یہ معاملہ باطل و فاسد ہو جاتا ہے۔

امام احمد رضا باطل و فاسد کی بحث میں فرماتے ہیں بیع (خرید و فروخت) کے رکن ایجاب و قبول ہیں اس رکن میں خلل واقع ہو تو یہ سودا باطل ہو جاتا ہے۔ باطل سے مراد یہ ہے کہ یہ سودا سِرے سے قائم ہی نہ ہو۔ جیسے خریدار اور بیچنے والے دونوں میں سے ایک مجنون، پاگل یا بے شعور بچہ ہو تو یہ معاملہ باطل ہوگا، کیونکہ مجنوں یا ناسمجھ بچے کا قائم کیا ہوا سودا شرع مطہرہ کے مطابق معتبر نہیں، لہٰذا یہ سودا باطل ہوگا۔ ۱۴؎

بیع فاسد سے مُراد یہ ہے کہ جس میں بیع (خرید و فروخت) کے ارکان اور محل میں نقص نہ ہو بلکہ کسی اور شے مثلاً خریدار جو قیمت ادا کر رہا ہے وہ ٹھیک نہ ہو جیسے کوئی حرام شے شراب وغیرہ اور فروخت کرنے والا خریدار کو کوئی ایسا مال دے جو چوری کا ہو یا غصب کا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس معاملے کے ساتھ کوئی ایسی شرائط منسلک کر دی جائیں جو اس معاملے کو فاسد کرنے کا باعث بنیں۔ ایسی چیزیں بیع کو فاسد کر دیتی ہیں۔ فریقین پر فاسد بیع کا فسخ کرنا لازم ہے۔ یا وہ دوبارہ از سِرنو اس معاملے کو قائم کریں، کیونکہ فاسد بیع حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر دونوں فریقین اس معاملے کو ختم نہ کریں تب حاکم شرع زبردستی اس کو منسوخ کریں۔ ۱۵؎

امام احمد رضا اس باطل و فاسد بیع کی چند صورتیں بیان کرتے ہیں جو یہ ہیں:
خرید و فروحت کے معاملے میں فریقین پر لازم ہے کہ وہ قیمت متعین کرلیں خریدار اور بیچنے والا دونوں ایک مقرر قیمت پر متفق ہو جائیں یہ اس معاملے کی شرط اولین ہیں۔ قیمت مجہول ہو، نامعلوم ہو، تو ایسی بیع فاسد ہوگی ۱۶ ۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بیچنے والا خریدار کو شے بیچ دیتا ہے۔ خریدار قیمت ادا کر کے اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے کہ معاملہ ختم ہو گیا بعد میں دونوں فریقین کے مابین یہ بات طے ہوتی ہے کہ سمجھنے والا یہ کہے کہ میرے پاس جب بھی روپے ہوں میں کچھ زیادہ قیمت ادا کر کے تم سے دوبارہ یہ شے خریدلوں گا۔ تم میرے ہاتھ یہ چیز بیچ دینا، پھر جو ایگریمنٹ ان کے مابین طے ہوا اس کو ایک کاغذ پر تحریر کرلیں کہ ان میں سے ایک بھی اپنے وعدے سے انکار نہ کردے۔ مثلاً بیچنے والا یہ کہے کہ میں نے فلاں شے بکر کے ہاتھ تین ہزار روپے میں فروخت کی۔ بکر نے تین ہزار روپے ادا کر کے وہ شے خرید لی۔ اب دونوں میں یہ وعدہ ہوا کہ بیچنے والا کہے کہ میں جب چاہوں یہ تین ہزار روپے یا کچھ زیادہ ادا کر کے تم سے یہ شے دوبارہ خریدلوں اسے میرے ہاتھ فروخت کرنے میں تمہیں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ امام احمد رضا اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ شرط فاسد نہیں ہے، بلکہ معاہدہ تو جو قیمت لینے اور شے دینے سے دونوں کے مابین ختم ہو گیا اب الگ سے یہ قرارداد دونوں کے مابین ہوئی اس سے اصل معاملے پر کوئی اثر نہیں پڑا لہٰذا اس شرط کو فاسد نہیں کہا جائے گا اور یہ معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔ ۱۷ ۔

خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت جس شے کا سودا طے کیا جارہا ہو اس کا موجود ہونا ضروری ہے، بلکہ وہ شے بیچنے والے کی ملکِ میں ہو اور اس وقت موجود ہو غیر مملوک کی بیع (خرید و فروخت) باطل ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

شے کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو ۱۸؎

خرید وفروخت کا معاملہ باطل کرنے والی یہ شرط بھی ہے کہ درخت کو اس شرط پر خریدا جائے کہ اس کے کٹوانے کی ذمہ داری بیچنے والے پر عائد کی گئی تو ایسی بیع فاسد ہوگی۔ درخت کو کاٹنے کے لیے بیچا جائے اس کا کاٹنا خریدار کی ذمّے داری ہے۔ ۱۹؎ اسی طرح پھل کا پھول بیچنا حرام و ناجائز ہے، بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے۔ اس طرح کھیت جو تیار ہو اور اس قابل ہو کہ اسی وقت کاٹ لیا جائے گا تب بھی اس کی فروخت جائز ہے لیکن اگر پکا نہ ہو فصل تیار نہ ہو اس وقت تک خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اس طرح قبرستان کی بیع ناجائز وحرام ہے ۲۰؎

حرام اشیا جیسے شراب، افیون وغیرہ ان کی خرید وفروخت ناجائز ہے خارجی استعمال یا علاج معالجے کی ادویات میں بقدرِ ضرورت استعمال ہو اس صورت میں ان کی فروخت جائز ہے بصورت دیگر یہ اشیا حرام ہیں اور ان کی خرید وفروخت ناجائز وحرام ہے۔ ۲۱؎ وہ جانور جو مردار ہو گیا بغیر ذبح شرعی کے مر گیا اس کا بیچنا حرام ہے۔ کھال وغیرہ کو دھوپ میں سکھا کر بیچنا جائز ہے۔ اس طرح کسی (زندہ) جانور جیسے گائے بکری کو بغیر کھال کے خریدنا یعنی صرف گوشت کو خریدا، اس طرح خریدنا ناجائز ہے۔ ۲۲؎ چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ بیچنے والے کی ملک نہیں، تو اس کا خریدنا ناجائز ہے۔

وہ اشیا جو خالص نہیں یعنی ملاوٹ والی ہیں شرع کے مطابق ایسی اشیا کی فروخت اس صورت میں جائز ہے کہ بیچنے والا ان کا عیب صاف بیان کر دے خریدار سے چھپائے نہیں یا خریدنے والے کو صاف نظر آ رہا ہو کہ اس شے میں ملاوٹ ہے اور جانتے ہوئے بھی وہ شے خریدے یہ الگ نوعیت ہے مگر بیچنے والے پر لازم ہے کہ وہ شے کا ناقص ہونا چھپائے نہیں بلکہ خریدار پر ظاہر کر دے کہ اس شے میں خرابی

ہے۔ ملاوٹ، عیب کو چھپانا بیچنے والے کو زیب نہیں دیتا۔ امام ابوحنیفہ بھی فرماتے ہیں: ایسی گندم جس میں جو ملے ہوئے ہوں اور صاف نظر آرہے ہوں تب خریدار خریدے تو جائز ہوگا۔ اگر گندم کو جو سمیت پیس لیا جائے تو اب بیان کیے بغیر نہ بیچے ۲۳۔ احادیثِ مبارکہ میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

خلاصۂ تحقیق

بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق لین دین خرید وفروخت کے معاملات میں تبدیلی آچکی ہے شرع مطہرہ نے ان معاملات کی تشریح فرمائی ہے۔ ان کے مطابق امام احمد رضا نے ان تمام پہلوؤں پر تحقیق کی جن سے کوئی بھی معاملہ فاسد و باطل ہوجاتا ہے خرید وفروخت کے معاملات کس طرز پر طے ہونے چاہییں، اس معاملے کے لیے جو باتیں ضروری اور بنیادی ہیں، ان پر آپ نے تحقیق کی ہے۔ دورِ حاضر میں آپ کی اس تحقیق کو سامنے رکھ کر لین دین کے معاملات طے کیے جائیں۔

نتائج

خرید وفروخت کو شرع مطہرہ کے اعتبار سے جائز بنایا اور حلال طریقوں سے ان پر منافع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ تمام باتیں جو اس معاملے کو فاسد و باطل کرنے کا باعث بنتی ہیں جیسے قیمت کا متعین نہ کرنا، حرام اشیا کی خرید وفروخت، فاسد شرائط ان تمام چیزوں کو عقد طے کرتے وقت مدنظر رکھا جائے۔ امام احمد رضا نے خرید وفروخت سے متعلق معاملات کی تشریح فرمائی جن سے راہ نمائی حاصل کر کے اس عقد کو شرع مطہرہ کے مطابق قائم کیا جاسکتا ہے۔

عملی اطلاق

شرع مطہرہ نے خرید وفروخت کے معاملات کی تشریح فرمائی تاکہ امت مسلمہ کے مابین لین دین کے معاملات، قرآن وسنت کی روشنی میں طے ہوں۔ دورِ حاضر

میں خرید وفروخت کے لیے مختلف قسم کی مارکٹیں معرضِ وجود میں آچکی ہیں، ایسا علاقہ جہاں خرید وفروخت کرنے والے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرتے ہیں خواہ یہ رابطہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، اس کا تعلق صرف ملکی سطح تک محدود نہیں بلکہ بین الاقوامی منڈیوں میں اشیا کی خرید وفروخت مالک ملک کی اشیا دوسرے ملک بھیجی جاتیں ہیں تمام ممالک اپنی ضروریات کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ مختلف ممالک کے درمیان تجارت ہورہی ہے بین الاقوامی تجارت کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔

دورِ حاضر میں جو خرید وفروخت کے معاملات ہیں اُن کو شرع اسلامی کے مطابق قائم کیا جائے۔ اشیا کی لین دین خرید وفروخت میں بینکنگ سسٹم آج کل اہمیت اختیار کر گئے ہیں، بہت سی اشیا کی خرید بینکوں سے اقساط پر حاصل کی جارہی ہیں۔ ان تمام معاملات میں شرع مطہرہ کے بتائے ہوئے اصولوں اور امام احمد رضا کی تعلیمات سے مدد لی جاسکتی ہے۔

مصادر ومراجع

۱۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، حصّہ ۱۱، ص ۸، مکتبۃ المدینہ، ۲۰۰۹ء۔
۲۔ القرآن الحکیم، ۴/ ۲۹۔
۳۔ القرآن الحکیم، ۵/ ۸۸، ۸۷۔
۴۔ القرآن الحکیم، ۲/ ۱۸۸۔
۵۔ شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴۸۵۴۰، ج ۴، ص ۲۲۱۔
۶۔ صحیح بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، ج ۱، ص ۱۴۷۔
۷۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۴۷۔
۸۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۴۷۔
۹۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ (مع تخریج عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج ۱۷، ص ۸۱، رضا فاونڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور، ۲۰۰۹، تعلیقاتِ رضا (ترجمہ علامہ صدیق ہزاروی) ص ۱۵۷۔
۱۰۔ ایضاً، ص، ۸۱۔
۱۱۔ ایضاً، ص، ۸۱۔
۱۲۔ ایضاً، ص ۸۱۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۸۷، ۸۹۔
۱۴۔ ایضاً، ص، ۱۴۲۔
۱۵۔ ایضاً، ص، ۱۴۳۔
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۵۶۔
۱۸۔ ایضاً، ۱۵۸۔
۱۹۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔
۲۲۔ ایضاً، ص ۱۶۱، ۱۶۲۔
۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵۰۔

امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ بحیثیت محدث

محمد کوثر علی قادری

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ، بحر علم ومعرفت سے موجیں مارتا ہوا ایک وسیع دریا ہے۔ آج وقت کا شدید تقاضا ہے کہ راز دار شریعت، تاجدار حقیقت، امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ کی حیات کا وہ پہلو بھی اجاگر کیا جائے جو آپ کو امام الحدیث کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے اور علم حدیث میں آپ کی ثقاہت وضبط کو واضح کر کے ان حقائق سے پردہ اٹھایا جائے۔ زیر نظر مضمون میں حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ امام اعظم صرف امام الفقہ ہی نہیں بلکہ امام الحدیث بھی تھے۔

امام اعظم جس زمانے میں کوفہ میں پیدا ہوئے وہ صحابۂ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا۔ اس وقت کوفہ شہر میں ایک ہزار پچاس صحابۂ کرام موجود تھے جن میں ستر اصحاب بدر کے علاوہ تین سو بیعت رضوان کے شرکا بھی تھے۔ اس وقت کوفہ میں حدیث وفقہ کے جو ائمہ مسند تدریس کی زینت بنے ہوئے تھے ان میں سب اپنی اپنی جگہ آفتاب ومہتاب تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور کے ساتھ تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ حضرت امام اعظم نے تحصیل حدیث کی ابتدا یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ''تھذیب الاسماء'' و ''تذکرۃ الحفاظ'' وغیرہ کا مطالعہ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظم نے کوفہ کے ایسے ۲۹؍ محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے۔ حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ کے علاوہ سفیان ثوری بھی ہیں

جنہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا گیا ہے۔

کوفہ کے علاوہ امام اعظم نے بصرہ کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں اس وقت بصرہ بھی علم وفضل خصوصاً علم حدیث میں بہت اہم درس گاہ تھا جسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں۔

مدینہ طیبہ میں حضرت امام اعظم حاضر ہوئے تو فقہائے سبعہ میں سے دو بزرگ حیات تھے ایک سلیمان یہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم کے پوتے حضرت عبداللہ کے صاحب زادے تھے۔ حضرت امام نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلبِ علم کا میدان صرف کوفہ سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود ہے مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ اس درمیان انہوں نے چار ہزار شیوخ سے حدیثیں اخذ فرمائیں۔

حضرت امام اعظم کے اساتذۂ حدیث میں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ بھی ہیں جن کی خدمت اقدس میں رہ کر ایک مدت دراز تک آپ نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب آپ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ امام باقر نے امام اعظم سے کہا وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہو، امام اعظم نے کہا معاذ اللہ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا۔ حضور! مرد ضعیف ہے یا

عورت؟ ارشاد فرمایا عورت۔ عرض کیا وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ ارشاد فرمایا مرد کا، عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو، مرد کا دوگنا حصہ دینے کا حکم کرتا، پھر عرض کیا: نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا نماز، عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہیے۔ اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔

بعض نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلد) سیدنا امام اعظم کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ''آپ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں'' اس اعتراض کی اصل وجہ محض آپ سے حسد و بغض ہے۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس حاصل نہ تھی حاشا اللہ، آپ علوم شرعیہ، علوم ادب وحکمت کے علاوہ تفسیر و حدیث میں بھی بحر ناپیدا کنار تھے اور ان میں سے ہر فن کے امام تھے۔ بعض دشمنوں کا اس کے خلاف کہنا محض ان سے حسد کی وجہ سے ہے۔ (الخیرات الحسان: ۸۹)

ابو عبدالرحمان المقری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم سے نوسو (۹۰۰) حدیثیں سماعت کیں۔ (مناقب کردری ج ۲۱۶:۲)

ان کے شاگرد بشر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''جب آپ ہم سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے! شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳:۳۴۵)

صحاح ستہ کے اہم راوی حافظ الحدیث امام مسعر بن کدام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا لیکن وہ ہم پر غالب رہے۔ (مناقب للذہبی: ۲۷ طبع مصر)

امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ ابن مبارک کا قول ہے کہ آثار وحدیث کے سمجھنے کے لئے امام اعظم علیہ الرحمہ کی ضرورت ہے۔ علماء تفسیر وحدیث میں امام اعظم کے محتاج ہیں۔

ابو علقمہ نے بیان کیا میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابو حنیفہ پر پیش کیا تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا۔ اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔ (مناقب کردری)

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، لیث بن ابی سلیم، مطرف بن طریف، حصین بن عبدالرحمان وغیرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے کئی بار وہ ان احادیث کے بارے میں سوال کرتے جس کے متعلق انہیں کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ (مناقب للموفق:۳۹۶)

مقام غور ہے کہ اگر بالفرض سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد ہوتیں تو ایسے بڑے بڑے محدثین آپ کے پاس کیوں حاضر ہوتے؟ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ سے جن محدثین نے کثیر روایات حاصل کیں ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ (مناقب للذہبی:۱۲)

جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی قول پر جم جاتے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آپ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا اثر معلوم کرنے کے لیے کوفہ کے مشائخ کے پاس جاتے۔ بسا اوقات دو دو یا تین تین حدیثیں لے کر آپ کے پاس حاضر ہوتے تو ان میں سے کسی کے بارے میں فرما دیتے کہ یہ صحیح نہیں ہے یا یہ غیر معروف ہے۔ امام یوسف دریافت کرتے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا حالانکہ یہ تو آپ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ''میں اہل کوفہ کے تمام عالموں کا عالم ہوں''

(الخیرات الحسان:۲۲۲۔ فتاویٰ رضویہ ج۱:۱۲۱)

امام حسن بن زیاد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا تکرار جو احادیث روایت کرتے ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ دو ہزار احادیث انہوں نے اپنے استاذ امام حماد رحمۃ اللہ علیہ سے اور دو ہزار دوسرے شیوخ سے حاصل کیں۔
(مناقب للموفق: ۱۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعی علم حدیث کے بادشاہ تھے اور اگر نفس احادیث کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں اور نسبتاً کم واسطوں سے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم الشان محدث ہونے کی سب سے قوی اور روشن دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات و جزیات اور دوسرے طرف احادیث کی کتابیں دیکھی جائیں تو جن جن ابواب میں جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤل غیر منسوخ اور کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کے لیے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی عمدۃ القاری شرح بخاری اور ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی رضویہ کا مطالعہ کیا جائے تو جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو سوال یہ ہے کہ امام اعظم کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت میں تحریر فرمایا ہے کہ امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام اعظم نے براہ راست سماعت فرمائی تھیں۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔

کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث براہ راست نہیں سنی ہے۔ ان کا بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر امام اعظم نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد اس کو ضرور روایت کرتے۔ لیکن اولاً یہ استدلال کافی کمزور ہے کیوں کہ امام مسلم جو امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور اپنے شیخ امام بخاری کے انتہائی مداح بھی مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث روایت نہیں کی۔ ثانیاً یہ کہ اس کے برخلاف حضرت ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے جو علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے نقل فرمائی کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جیسے۔

① الدال علی الخیر کفاعلہ ② واللہ یحب اعانۃ اللھفان

اب مختلف ائمۂ حدیث کی مسانید میں درج ان احادیث کی تعداد ملاحظہ فرمائیں جو امام اعظم سے مروی ہیں۔

امام خوارزمی کی مرتب وجمع کردہ پندرہ مسانید امام اعظم میں ۱۷۰۰/احادیث ہیں، مسند بن عقدہ میں ایک ہزار حدیثیں، چار ہزار احادیث کتاب الآثار میں، سولہ سو چھپن جامع المسانید میں، ایک ہزار تیرہ امام ابو یوسف کے آثار میں، نو سو سولہ امام محمد کے آثار میں، چار ہزار حسن بن زیاد اللوی کے آثار میں احادیث درج ہیں ان کے علاوہ دیگر مسانید میں بھی امام اعظم سے مروی احادیث موجود ہیں، تو کل ملا کر امام اعظم سے مروی احادیث کی مجموعی تعداد ۵۰/ ہزار ہے۔ نیز امام ابو عبداللہ بغدادی نے بتایا کہ ہمارے پاس ستر ہزار احادیث بروایت امام اعظم موجود ہیں اور ایک ہزار شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے طریق سے آگے روایت کیا ہے اس

طرح پوری دنیا میں امام اعظم کی روایت کردہ حدیثیں اسی ہزار تک جا پہنچیں۔ امام مالک بیان کرتے ہیں کہ امام اعظم نے ۶۰؍ ہزار شریعت کے احکام و مسائل مستنبط کئے، امام الموفق المکی نے کہا کہ تراسی ہزار مسائل بیان کیے، اگر ایک ایک حکم شریعت ایک ایک حدیث سے بھی لیا ہو تو اسی ہزار احادیث تو یوں ہی بنتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امام اعظم نے پانچ لاکھ مسائل شریعت مرتب کیے۔ اگر پانچ لاکھ مسائل اور احکام شریعت ایک ایک حدیث سے دو دو مسائل بھی لیے ہوں تو دو اڑھائی لاکھ احادیث بنتی ہیں۔

مذکورہ سطور سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تابعین میں امام اعظم ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو صرف امام الفقہ ہی نہیں بلکہ امام الحدیث بھی تھے۔ اور یہ خدمات حدیث نبوی ہی کا انعام وصلہ ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ آج پورے عالم اسلام میں حنفی مقلدین اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ کوئی اسلامی خطہ اور علاقہ ایسا نہیں جہاں حنفیت نہ ہو بلکہ جہاں جہاں اہل اسلام ہیں وہاں حنفی مقلدین بھی ضرور موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بحر علم کی سچی معرفت سے نوازے اور امامِ اعظم کے علمی فیوض و برکات سے نوازے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ ☆☆☆

قارئین جہانِ رضا

جہاں آپ خود جہانِ رضا کے علمی و تحقیقی مضامین سے مستفیذ ہو رہے ہیں اسی طرح اپنے دیگر احباب کو بھی جہان رضا کی ممبر شپ لینے کی ترغیب دلائیں صرف 400 روپے سالانہ میں گھر بیٹھے جہان رضا اور مجلس رضا کی مطبوعات حاصل کریں۔

زنا کا سدِ باب

مخلوط نظام کا خاتمہ

محمد اختر علی واجد القادری

زنا سے متعلق ملک بھر کے مختلف اخباروں میں چھپی خبروں سے ہر کوئی واقف ہے، ہمارے ملک کے بیشتر اخباروں میں بلا ناغہ دو چار دنوں میں بڑی خبروں میں ایک خبر زنا کی ہوتی ہے۔ وہ خبر چھپتے ہی دوسرے دن اس کی مذمت کی خبر منظر عام پر آنے لگتی ہے، مذمت کی خبر چند دنوں تک آتی ہے کہ پھر کہیں سے ویسی ہی منحوس خبر منظر عام پر آ جاتی ہے، پھر ردعمل شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ پچھلے چند سالوں سے لگاتار جاری ہے۔ ردعمل کی وجہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی ہے کیوں کہ ہر خبر اپنے آپ میں اتنی متعجّب اور حیرت انگیز ہوتی ہے کہ قاری کے دل کو جھنجھوڑ دیتی ہے، دل جلتا ہے، آنکھیں روتی ہیں، کلیجہ جلتا ہے، بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے، فکر بڑھ جاتی ہے، دماغ کی نسیں پھٹنے لگتی ہیں، اس لیے ملت کے باشعور غیرت مند افراد اس معاشرہ کے خلاف کمر کس لیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ سب کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے مگر اسبابِ زِنا پر مکمل غور نہیں کیا جا رہا ہے، میری نظر سے جتنے بھی مذمتی پیغامات گزرے ہیں ان میں سے کسی پر بھی یہ زور نہیں دیا گیا جتنا کہ دیا جانا چاہیے تھا کہ زنا کے اسباب پر میٹنگ ہو، اس پر سیمینار منعقد کیا جائے، ورک شاپ ہو، اس پر غور کیا جائے، اسباب زنا کے لیے مختلف المذاہب مکالمہ کرایا جائے، بین الاقوامی اسکالروں کو بلا کر اس کا حل نکالا جائے، زنا کی تعریف پر غور وفکر کیا جائے، جب کہ زانی کو سزا دینے کی بات ہر کوئی کرتا ہے مگر اسباب زنا کی بات کرتے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے۔ حیرت اس بات پر ہے کہ لوگ

جانتے ہیں کہ جب تک کسی واقعہ کا سبب موجود ہوگا واقعہ کا رونما ہونا واجب ہے، چوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنسی تعلقات کی آزادی کے نام پر رشتے قائم ہوتے ہیں اور جب طالب ومطلوب میں افتراق وانتشار برپا ہوتا ہے تو مطلوب اپنے طالب پر زنا بالجبر کا الزام عائد کرتی ہے، ایسے عالم میں اکثریت کی حمایت مطلوب کے حق میں ہوتی ہے۔حمایت کے باب میں یہ امر متعیّن ہے کہ آہ وبکا کرنے والے کا ساتھ سبھی لوگ دیتے ہیں اور اسی ساتھ دینے کا فائدہ اٹھا کر چپ رہنے والوں کی شخصیت کو مجروح کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ صنفِ نازک مظلوم نہیں بلکہ اپنی ظالم اداؤں سے فرد مقابل کو مجروح کرتے رہنا اس کی عادت ہے، اس لیے اسباب اور اس کے متعلقات پر غور کیے بغیر اس کے سد باب کے لیے بنے قانون سے معاشرہ کو مکمل نجات نہیں مل سکتی ہے۔آج ہزارہا ایسے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں کہ لڑکیاں اور عورتیں اپنے اپنے گھروں سے غائب ہوجاتی ہیں اور ان کے گھر والے علاقائی تفتیشی جگہوں پر شکایت درج کرواتے ہیں جب کہ تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوجاتا ہے کہ لڑکی کو بھگایا نہیں گیا تھا بلکہ لڑکی بھاگنے پر مجبور کررہی تھی، ایسے میں جب تک صحیح خبر نہیں ملتی ہے تب تک متعلقہ افسران لڑکے ہی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میرے سامنے روزنامہ صحافت مورخہ ۲۵؍مئی ۲۰۱۳ء صفحہ ۸؍میں The Truth About sex At Work نامی سروے رپورٹ ہے، یہ رپورٹ پچیس سو افراد کے سروے پر مشتمل ہے، سروے کے مطابق ۸۴ سے ۶۲ فیصد خواتین جنسی تعلقات کی چھوٹ اس پر چاہتی ہے کہ وہ اپنے مرد ملازم کے ساتھ کریں۔ ۵۴ سے ۱۰ فیصد خواتین اپنے ہی ساتھی مرد ملازم کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتی ہیں، ۵۴ سے ۶۸ فیصد لوگوں نے مانا ہے کہ ان کے اپنے ہی آفس میں ایک سے زیادہ

لوگوں کے ساتھ جنسی تعلقات ہیں۔ ۴۸ سے ۶۳ فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ انہیں آفس میں ہی سیکس کی جگہ مل جاتی ہے جب کہ ۵۱ سے ۷۳ فیصد لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ آفس میں جنسی تعلقات قائم نہیں کرتے ہیں۔

اس سروے میں ایک بات جو سب سے زیادہ کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جنسی تعلقات سے ان کے کام کاج اور سماجی ماحول میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہے بلکہ سروے شدہ لوگوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اپنے کام سے بالکل خوش ہیں، انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے، وہ آفس سے گھر تک بے فکر رہتی ہیں، اگر اس رپورٹ کو سچ مان لیا جائے تو اہل علم و شعور کو اس پر بھی بحث کرنی چاہیے کہ جنسی تعلقات کی عمر، مکان، مزاج، ہیئت اور کیفیت کیا ہونی چاہیے، اور اسی طرح اپنے ہی آفس میں لڑکیاں مستقبل کی پرواہ کیے بغیر جنسی تعلقات قائم کرسکتی ہیں تو پھر یہ امر بعید نہیں کہ وہ تنہائی میں صنف مقابل کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہوگی، جسے انکشاف کے بعد زنا کا نام دے دیا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر تمام امورِ زنا کا منصفانہ جائزہ لیا جائے تو اس کا محرک اول مخلوط نظام زندگی ہی ثابت ہوگا۔ اگر اس سے کسی کو اطمینان نہ ہو تو وہ اب تک کے ہوئے واقعات کا غائرانہ جائزہ لیں، مثلاً اب تک کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی گزرا ہے کہ ایک بچی تنہا راستہ سے جا رہی تھی، اس کے ساتھ کچھ ضروری سامان تھا، راستہ کی دوری نے اسے جلدی جلدی چلنے پر مجبور کر دیا، جب وہ جلدی جلدی چلنے لگی تو ایک بدنظر کی نظر اس پر پڑی، اس کے سامنے گاڑی لاکر کھڑا کیا اور بولا کہ آپ چاہیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، وہ بچی اس کے بہکاوے میں آگئی اور یہ نہ سمجھی کہ صنف غیر کے ساتھ اس کا خلط ملط ہونا اچھا نہیں ہے، وہ سوار ہوئی اور ایک ویرانے میں اس کے ساتھ وہ دردناک حرکت کی جاتی ہے جس کے تصور سے انسانی معاشرہ کا کلیجہ شق ہو جاتا ہے۔ آخر کار

کسی طرح وہ آزاد ہوئی اور گھر سے نکلا ہوا پھول مرجھا کر واپس اپنے مسکن میں لوٹ آیا۔

قارئین کرام! کیا یہ واقعہ ہمیں درس نہیں دیتا ہے کہ ہمیں اپنی بچیوں کو یہ درس دینا چاہیے کہ وہ ہر حال میں کسی کے ساتھ بھی تخلیہ (تنہائی) سے اجتناب کریں، کیوں کہ یہ بدنامی اور عزت کی نیلامی کا سبب ہے، یہ صرف بچیوں کے لیے ہی نہیں بلکہ بچوں، نوجوانوں، ضعیفوں اور اہل علم اور دانش وروں کے لیے بھی لازم ہے کہ تخلیہ کرنے سے گریز کریں۔ جتنے لوگوں پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے اپنے معاونین اور متوسلین کے ساتھ زنا کیا ہے ان میں سے بہتوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زنا بالجبر نہیں بلکہ طلب طرفین کا معاملہ ہے جو ناا تفاقی کا شکار ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو غیر محرم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں ان کے بیچ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اندازہ لگائیں کہ شیطان اپنا کام ضرور کرے گا، چاہے وہ پہل مذکر سے کرائے یا مونث سے کرائے، لیکن اپنا کام وہ کرے گا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں دن بدن ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ میری نظر میں مخلوط نظام کا خاتمہ زنا کا اصل سد باب ہے۔

اصلاح معاشرہ

لڑکیوں کو تعلیم یافتہ بنانا ضروری ہے

محمد ناصر مصباحی

بعض ان پڑھ سادہ لوح لوگوں کا یہ ضابطہ قطعاً ناقابلِ تسلیم ہے کہ فی زمانہ لڑکیوں کو تھوڑا بہت ہی پڑھانا صحیح ہے کیوں کہ فی زمانہ تھوڑی بہت تعلیم کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، اِس حد تک تو خود معاشرہ بھی بیدار ہے، آج اسکول جائے بغیر لوگ ہلکی پھلکی اردو بلکہ انگریزی بھی جان لیتے ہیں اور اگر لڑکیوں کی ہلکی پھلکی تعلیم کی وکالت کرنے والے بعض اعلی دینی یا دنیوی تعلیم یافتہ حضرات ہیں تو ہماری گزارش یہ ہے کہ ذرا وہ خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ اگر وہ خود بہت کم پڑھے لکھے ہوتے اور صرف نام لکھنا اور نام پڑھنا جانتے تو کتنی بڑی نعمت سے محروم ہوتے اور غیر شعوری طور پر کتنی بدنصیب زندگی گزار رہے ہوتے، ہمارا خیال ہے کہ کوئی بھی سنجیدہ پڑھا لکھا شخص اپنے آپ کو خالی از علم تصور کر کے ہی کانپ اُٹھے گا اور اپنے اچھے پڑھے لکھے ہونے پر فوراً اللہ کا شکر بجا لائے گا اور جب سچ یہ ہے تو پھر کسی ایک لڑکی یا خاتون کے لیے نہیں بلکہ پوری آدھی نسل انسانی کے حق میں یہ نہایت جابرانہ ضابطہ کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مذہب و تہذیب سے حیلہ پکڑنے کی بات ہے تو اہلِ علم بتائیں کہ وہ خود تحصیلِ علم و دانش سے قبل مذہب و تہذیب کو کتنا جانتے تھے اور جب خود تعلیم کے بعد بیدار ہوئے ہیں تو پھر یا تو اپنی اِس بیداری کو ایک برے کام کا برا نتیجہ قرار دیں

اور تسلیم کریں کہ اُنہوں نے حصولِ علم کر کے غیر ارادی خطا کی ہے، ورنہ دیدہ و دانستہ عورتوں پر ظلم نہ کریں اور انھیں ایک خیرِ کثیر سے محروم رکھنے کی سعی سے باز آئیں، حقیقت یہ ہے کہ تہی از علم کے نزدیک مذہب و تہذیب کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، جو پڑھا لکھا نہیں، اُسے نہیں پتا کہ مذہب واقعتاً کیا ہے اور تہذیب حقیقتاً کس پرندے کا نام ہے، ان پڑھ شخص کی محدود ذہنی دنیا بس یوں ہی ہوتی ہے جیسے پوری دنیا میں رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہو اور اُس میں اُس کے بے حیثیت شعور کا ایک بے حد معمولی سا بلب دس بیس قدم تک روشنی کے نام پر صرف ایسا دھندلکا تخلیق کر لے کہ جس میں صرف کھانے کمانے اور سونے جاگنے جیسے چند موٹے موٹے تصادماتِ زندگی کے محض بے سلیقہ مادی مفاہیم ہی واضح ہو سکیں، جب کہ قدرے لطیف دلالتیں تا زیست بعدی از گرفتِ احساس رہیں، غرض ان پڑھ شخص اِس دنیا کو کچھ نہیں سمجھ پاتا اور عموماً یوں ہی آ کر یوں ہی چلا جاتا ہے۔

خواتین کو تعلیم سے روکنے میں مذہب و تہذیب سے دلیل پکڑنا دنیا و مافیہا میں غور و خوض کی سخت تاکید کرتی ہے اور یہ تاکید مرد و عورت دونوں سے ہے اور ظاہر ہے قرآن مجید کا مطلوبہ غور خوض کسی جاہل اور ان پڑھ کے لیے تقریباً ناممکن ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید اصلاً کتابِ ہدایت ہے اور اُس کی ہدایت کسی ایک جہت میں محدود نہیں بلکہ ہمہ جہت ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخ، تہذیب، سائنس، قانون، اقتصاد، سیاست، معاشرت، ادب، اخلاقیات، جیسے نہ جانے کتنے بنیادی علوم و فنون کو نہ صرف کامل نظریاتی انداز میں بلکہ حقیقتاً قابلِ عمل نظام و ضابطے کی شکل میں پیش کرتا ہے، تو جب یہ قطعی ہے کہ قرآن مقدس کے زیادہ سے زیادہ پڑھنے اور سمجھنے کے استحقاق میں خواتین بھی برابر کی حصے دار ہیں اور جب اُنہیں یہ قطعی حق ہے کہ وہ اللہ کی اِس مقدس کتاب کو پڑھ سمجھ کر دنیائے دین و دانش میں انسان کی ہمہ جہت

رہنمائی کریں تو وہ کیوں قرآن کے مشمولہ مضامین کو نہ سمجھیں اور کیوں نہ سیکھیں، رہی یہ بات کہ عصری اداروں میں یہ علوم قرآنی منہج سے نہیں پڑھائے جاتے تو یہ اعتراض مردوں کے حق میں بھی موجود ہے، غرض جو قرآن اور اُس کا مذہبِ اسلام بلا تفریقِ صنف، انسان کو زبردست حصولِ علم پر ابھارتا ہے وہ دوسرے ہی لمحے عورتوں کو محض اُمی رہنے کی تلقین ہر گز نہیں کرسکتا۔

نیز کیا جہل و لاعلمی کی صورت میں یہ ہوگا کہ عورتیں دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر اپنے کمزور ایمان کی بنیاد رکھیں اور معاشرے کی دیکھا دیکھی چند نیم مذہبی رسموں کو برت کر ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں، جب کہ حقیقتاً اسلام کے نزدیک یہ قابل برداشت ہے، ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھیں کہ بڑے بڑے اہل علم اور کبارِ صحابہ کرام تک قرآن و حدیث کے مسائل کی سمجھ بوجھ آپ سے حاصل کرتے تھے اور آپ اُنہیں مسائل بتاتی تھیں، تو اصل یہ ہے کہ خواتین کے لیے تعلیم حاصل کرنے کی کوئی تہذیبی یا مذہبی تحدید نہیں البتہ تحدید حالات کے اعتبار سے کی جا سکتی ہے۔

جہاں تک پیشہ ورانہ علوم کی بات ہے تو اُن میں بھی متعدّد علوم ضروری ہیں، ورنہ یہ مذہب کشی اور تہذیب سوزی ہی ہوگی کہ ہماری مائیں بہنیں نامحرم مرد ڈاکٹروں سے اپنے ہر طرح کے امراض کا علاج کرائیں اور طبی تفتیش کے نام پر اُنہیں اپنے بدن کے کسی بھی حصے کو دیکھنے اور چھونے کی اجازت دیں، تو جب تک خواتین اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کریں گی تو وہ ڈاکٹر کیسے بنیں گی اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے والی مسلم طالبات کے لیے خواتین معلمہ کیسے بنیں گی، اِسی طرح اور بہت سے شعبہ جات ہیں جہاں عورتوں ہی کا پیشہ ورانہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے، آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی لڑکیوں سے نوکری نہیں کروانا ہے کہ اُنہیں اعلیٰ تعلیم

دلائیں، نہ ہمیں اپنی بیویوں کی کمائی کھانا ہے، لیکن سوال نوکری اور کمائی کا نہیں، سوال اُنہیں انسان بنا کر خودشناسی وخوداعتمادی عطا کرنے کا ہے اور حقیقتاً یہ حق باپ کو بھی نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو جاہل و بے خرد ہی پیدا کرے اور تقریباً اِسی حالت میں مہد سے لحد تک کا نہایت قیمتی سفر پورا کروا کر اُنہیں حوالۂ قبر کر دے اور اِس طرح عورتیں ہنڈیا روٹی کرتے کرتے ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں، حقیقت یہ ہے کہ عورتیں صرف مردوں کی روٹی پکانے اور اُنہیں راحتِ بدن پہنچانے ہی کے لیے نہیں پیدا ہوئیں بلکہ اُن کی زندگی بھی مردوں کی طرح اہم اور با مقصد ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لڑکیوں کو اس لیے عصری تعلیم نہیں دلانا چاہیے کہ اِس سے اُن میں برہنگی اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، مگر اِس پر اعتراض یہ ہے کہ اگر واقعی عصری تعلیم کے مضامین کے اندر اِس طرح کے اخلاق سوز وعصمت مخالف جراثیم پائے جاتے ہیں تو اِس طرح کی تعلیم سے لڑکوں کو بھی کنارہ کش رکھنا ضروری ہے، کیوں کہ جنسی بے راہ روی اور بے حیائی مردوں کے لیے بھی قطعاً ناجائز وحرام ہے، کہنا یہ ہے کہ جب اسباب مشترکہ ہیں تو احکام بھی مشترکہ ہونا چاہئیں، جب لڑکے اور لڑکیاں دونوں غلط اور فاسد مضامین پڑھ رہے ہیں تو بیک وقت دونوں کو روکا جانا ضروری ہے، صرف لڑکیوں کو بے تعلیم گھر بٹھائے رکھنا اور لڑکوں کو بگڑنے کے لیے بے مہار چھوڑ دینا انصاف ودیانت کے جذبے سے ہم آہنگ فیصلہ نہیں۔

لٰہذا حقیقت یہی ہے کہ لڑکیوں میں بے راہ روی فی نفسہٖ عصری تعلیم سے نہیں آتی، فی الواقع عصری تعلیم اخلاق سوز وحیا مخالف نہیں بلکہ جس طرح مذہبی تعلیم ایک انسان کے فکر ومزاج میں مذہبی ترجیحات کو مستحکم کرتی ہے، اِسی طرح مطلق عصری تعلیم اپنے حاصل کرنے والے کے ذہن ودماغ کو عموماً مثبت انداز میں صیقل کرتی ہے، اُس کے اندر مذہبی اقدار اور تہذیبی روایات کا احترام جگاتی ہے، عصری اداروں

کے تعلیمی نصاب قطعاً قطعاً بے راہ روی کو حوصلہ نہیں بخشتے، نہ مذہب کشی و تہذیب سوزی کے عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں، درسی کتاب کی یہ خصوصیت ممکن ہے دنیا کے بعض ملکوں میں ہو، لیکن جمہوری ملکوں اور خاص کر ہندو پاک میں نصابی کتابوں کے اندر مذہبی و تہذیبی امور کا احترام پایا جاتا ہے، جب کہ مطلق تعلیم انسان کی صلاحیتوں کو ترقی دیتی ہے اور انسان کے اندر اُنہیں برتنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے اور بس، تو اگر ایک انسان فطرتاً خیر پسند ہے تو وہ تعلیم کے بعد مزید بھلائیوں کا خوگر ہو جاتا ہے جب کہ فطرتاً شریر شخص تعلیم کے بعد مزید شر و فساد مچانے لگتا ہے، غرض تعلیم فی نفسہ غلط نہیں۔

البتہ عصری تعلیم کے طلبہ یا طالبات کے اندر چند دیگر چیزیں برا اثر ڈالتی ہیں، مثلاً اُن کے گھر میں دین دارانہ ماحول کا نہ ہونا، اُنہیں گھر سے صالح تربیت کا نہ ملنا، مزید یہ کہ عصری اداروں میں مخلوط نظامِ تعلیم کا ہونا وغیرہ۔ ایسے حالات میں عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب ایک لڑکا یا لڑکی اپنے گھر میں واجب الاحترام مذہبی یا تہذیبی ماحول کو موجود نہیں پاتے، مزید یہ کہ عدمِ صالح تربیت پذیری کے بعد اُن کا ذہن گھر میں غیر موجود دین دارانہ ماحول اور پاکیزہ تہذیبی فضا کے احترام کے کسی ایسے مضبوط جذبے سے خالی ہوتا ہے جو گھر سے باہر کے بگڑے ماحول کی قبولیت کو چیلنج کر سکے، تو نتیجتاً یہ خیال کرتے ہوئے کہ گھر والوں کو ہماری کسی خاص روشِ فکر اور نقل و حرکت سے عموماً کوئی تعرض نہیں ہوتا، وہ اپنی نوعمری کے طبعی جذبوں کی تسکین کے لیے عصری اداروں کے نئے اور آزاد ماحول کو منفی انداز میں لبیک کہنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہاں پہنچ کر خود ایسے ہی لوگ غیر صالح ماحول تشکیل دینے لگتے ہیں، اِس لیے ہم پر ضروری ہے کہ ہم لڑکیوں کو عصری تعلیم سے روکنے کے آسان نسخے پر عمل کے بجائے گھر کا ماحول مؤثر انداز میں دین دارانہ بنائیں اور اپنی

لڑکیوں کے ذہن و دماغ کے رگ و ریشے میں اُس ماحول کا تقدس بٹھائیں، کیوں کہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ گھر کے قابلِ احترام دینی ماحول کے احساس اور صالح تربیت کے زیر اثر ایک انسان گھر کے باہر بہت بگڑے حالات میں بھی اپنے آپ کو سنبھالے رہتا ہے جب کہ بری تربیت اور گھر کے آزاد یا بگڑے ماحول کے باعث ان پڑھ اولادیں بھی گھر کے گھر میں بدچلنی کا شکار ہوجاتی ہیں، اِس کی مثالیں معاشرے میں کثرت سے موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بے تعلیم مسلسل گھر رہنے کی حالت ہو یا تعلیم کے لیے ریگولر عصری اداروں میں جانے کی صورت، ہر دو شکلوں میں عموماً وہ اولادیں ہی زیادہ بگڑتی ہیں جن کا اپنا کوئی مضبوط قابلِ احترام مذہبی یا تہذیبی بیک گراؤنڈ نہیں ہوتا یا جن کی تربیت پر گھر والوں کی طرف سے غیر ضروری لاپروائی برتی گئی ہوتی ہے، یادرہے تہذیب یا تادیب و تربیت سے مراد معاشرہ یا گھر والوں کا ظلم و جبر نہیں بلکہ معاشرہ میں گھر یا خاندان کی وہ متوارث عزت یا مسلمہ شرافت ہے کہ جس کے خلاف کچھ کرتے وقت گھر یا خاندان کے کسی بھی فرد کو لازماً حیا آئے، پھر گھر یا خاندان کے لوگ اِسی متاعِ حیا کو اپنے مسلسل پاکیزہ کردار و عمل کے ذریعے بغیر جبر و اِکراہ، اپنی اولادوں تک منتقل کردیں، تو عموماً یہ چیز برائیوں سے تصادمات کے وقت اُن صالح اولادوں کو اپنے حصار میں کرلیتی ہے اور کسی طرح کی بے راہ روی کو بآسانی اُن تک پہنچنے نہیں دیتی، لہٰذا گھر میں صالح ماحول کی تشکیل اور بچوں کی شروع ہی سے پاکیزہ تربیت ضروری ہے، کیوں کہ ایک بچہ گھر کی تربیت اور بالعموم اِس دنیا سے بہت کچھ سیکھتا اور حالات کے مطابق اپنی عادتیں تشکیل دیتا ہے، تو کیوں نہ ہم اپنی اولادوں کی عادتیں خیر پسند اور فطرتیں مثبت بنائیں۔

یہاں ہم بڑی مودب صراحت کے ساتھ یہ بھی عرض کریں گے کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث کہ علمِ دین سیکھنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے، علمائے کرام کی نوکِ زبان رہتی ہے مگر اِس کے باوجود عورتوں کی دینی و مذہبی تعلیم کو علما نے بھی آج تک تقریباً پوری طرح نظر انداز ہی کیا ہے، قدیم سے جدید زمانے تک عورتوں کی دینی تعلیم پر نا کے برابر ہی توجہ دی گئی، آج قدرے بیداری ہے، مگر آج بھی تعلیم نسواں کے مذہبی ادارے ایک دو فی صد سے زیادہ نہیں اور یہ مثبت رجحان بھی غالباً حدیث پر عمل کے لیے حدیث ہی سے تحریک پکڑنے کے جذبے کا نتیجہ کم اور زمانے کے جبری تقاضوں بلکہ اعتراضوں کے دباؤ کے بطن سے تخلیق احساسِ تحفظِ وقار کا نتیجہ زیادہ محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلام تو ہمارے درمیان پچھلی چودہ صدیوں سے متجاوز وقت سے موجود ہے، ہم پہلے بیدار کیوں نہیں ہوئے، البتہ یہ سچائی ہے کہ بلا امتیاز مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی بنیادی تعلیم کو فرض قرار دینے والا مذہبِ اسلام عملی تنفیذ میں ہوئی اِس کوتاہی سے بری ہے کیوں کہ یہ کام تو اُس کے ماننے والوں کا ہے۔

البتہ یہاں ہم تعلیم نسواں اور حقوقِ نسواں کی تحریک چلانے والوں سے چند گزارشات ضرور کریں گے، ہمارا نظریہ ہے کہ حقوقِ نسواں پر واقعی بیداری کی ضرورت ہے، معاشرہ میں آج بھی عموماً لڑکیوں کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو لڑکوں کو دی جاتی ہے، لوگ لڑکی کو عموماً غیر کا دھن سمجھ کر اُس کی تعلیم و ترقی اور اُس کے بہتر مستقبل کے لیے اپنی دولت صرف کرنے میں کنجوسی کرتے ہیں، جب کہ لڑکے کو آئندہ کے لیے اپنی نسل کا چشم و چراغ اور بڑھاپے کا سہارا تصور کر کے اُس پر مال کے ساتھ اپنی جان بھی نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں، لڑکیاں بسا اوقات سسرال میں بھی امتیازی سلوک کا شکار رہتی ہیں، جہیز کم لانے اور لڑکی کو جنم دینے جیسے غیر اختیاری گناہوں پر اُنہیں ذہنی و بدنی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، اِس لیے آج

ضروری ہے کہ لڑکیوں کو دینی وعصری تعلیم دلا کر اُنہیں باعزت نیز باحوصلہ و بااعتماد بنایا جائے تاکہ وہ اِس طرح کے سماجی ظلموں کا ڈٹ کر مقابلہ کرسکیں، نیز اُنہیں ایسے ہنروں سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور واقفیت کرائی جائے جو نسوانی خصوصیات کے مخالف و متضاد نہ ہوں اور بہ وقتِ ضرورت جنہیں برت کر وہ اپنی اور اپنے بچوں کی اور ضرورت پڑے تو اپنے معذور شوہروں کی بھی کفالت کرسکیں۔

مگر اِس کے ساتھ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہر چیز میں اعتدال ہی بہتر روش ہے، عورتوں اور لڑکیوں کو صنفِ کرخت مخالف ہرگز نہ بنایا جائے، اُنہیں یہ ذہن نہ دیا جائے کہ وہ مذہبی یا تہذیبی حدوں سے آزاد ہوکر زندگی گزاریں، نہ یہ کہ ہر مذہب نے اُن پر ظلم کیا ہے، نہ اُنہیں یہ حوصلہ دیا جائے کہ وہ وضع قطع، چلت پھرت، بات چیت اور نقل وحرکت میں بالکل لڑکا بن کر جئیں، برہنگی اور شادی سے پہلے جنسی تجربات کی بالکل حمایت نہ کی جائے اور قطعاً قطعاً لڑکیوں کی ایسی حرکتوں کو اُن کی خود اعتمادی اور سماجی آزادی کا مثبت رنگ نہ دیا جائے، نیز برقع اور نقاب جیسی مذہبی یا تہذیبی ترجیحات پر غیر ضروری نکتہ چینیوں سے بچا جائے، یونی ورسٹی میں مطالعاتِ نسواں کے شعبہ جات کے اساتذہ کو بالخصوص اِس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیوں یہ سچ ہے کہ اِس شعبے میں مذہب وتہذیب پر عموماً غیر ضروری نقد وجرح کیا جاتا ہے اور مرد کو جبر و غلبے کا خوگر اور خود غرضی و نفس پرستی کا پیکر بنا کر پیش کیا جاتا ہے، ہم نے تقریباً تین سال قبل ایک اخبار میں پڑھا کہ ایک عورت جس سے کسی ایڈز میں مبتلا ہوگئی چنانچہ مرد کی اس حرکت سے جھنجھلا کر اُس ایڈز زدہ شخص نے اپنے مرض کی صراحت کیے بغیر نکاح کرلیا، نتیجتاً وہ عورت بھی ایڈز متاثرہ عورت نے جنسی آسودگی کے لیے نہیں بلکہ محض مردوں سے انتقام لینے کے لیے اُنہیں الگ الگ جنسی تعلقات کے ذریعے ایڈز کا شکار بنانا شروع کردیا اور خبر لکھے جانے تک وہ

تقریباً تین سو مردوں کو ایڈز میں مبتلا کر چکی ہے، اُسے متعدّد سنجیدہ سماجی خدمت گاروں نے بہت سمجھایا بھی، مگر مردوں کے خلاف اپنے انتقامی جذبے کی تسکین میں اب بھی وہ بہت زیادہ تشنگی کا برملا اظہار کرتی ہے۔

اب رہا یہاں یہ سوال کہ وہ اتنی خوں خوار کیوں بن گئی تو ہم براہ راست کسی کو الزام نہیں دیتے مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف کے خلاف کلی طور پر نفر دلانے اور اُس کے خلاف مسلسل غلط فہمیاں پیدا کرنے کی شعوری کوششوں کے موجودہ ماحول نے بالضرور اُس ایڈز متاثرہ ظالمہ کے اِس یقین کو مزید تقویت دی ہے کہ مرد واقعی بہت ظالم و کمین ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ جارحیت کسی بھی فکر وتحریک میں نہیں ہونا چاہیے، حقوقِ نسواں کے علم برداروں میں جذباتیت وشدت نہیں بلکہ سنجیدگی ومتانت ہونا چاہیے، ہم نے حقوق نسواں کی ایک سرگرم خاتون کارکن کا لکچر سنا جس میں اُنہوں نے لڑکے اور لڑکی کے درمیان صرف لباس کے طرز ورنگ اور بالوں وغیرہ کی وضع وقطع جیسی چیزوں ہی میں اختلاف کا اعتراف کیا جب کہ ذہن و بدن کی طبعی ساخت کے واضح فرق اور اُس کے متفرق طبعی تقاضوں کو تسلیم کرنے سے یک لخت انکار کر دیا، اُنہوں نے کہا کہ ایک لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کے اندر صرف وہی فرق ہوتا ہے جسے ہم پہلی نظر میں دیکھ کر اُس کے لڑکی ہونے کا احساس کرتے ہیں اور وہ چیزیں قدرتی نہیں بلکہ ہماری اپنی اختیار کی ہوئی دنیوی ہیں، نتیجتاً اُنہوں نے اپیل کی کہ لڑکی لڑکے سب ایک جیسے کام کریں اور ایک جیسے بن کر رہیں، اُنہوں نے علمائے کرام پر بھی ایک سنگین الزام لگایا کہ علما نے بلاغرض محض غفلت ہی کے سبب عورتوں کو دینی تعلیم سے دور نہیں رکھا بلکہ شعوری طور پر اُن کے پیش نظر یہ رہا کہ کہیں عورتوں کو اِس سچ کا پتا نہ چل جائے کہ اسلام نے اُنہیں بھی تعلیم حاصل کرنے کا حق دیا ہے، جس پر راقم نے شدید اعتراض بھی کیا، تو کہنے کا مقصد یہ ہے

کہ اِس طرح کی غیر سنجیدہ الزام تراشیوں سے بچنے کی ضرورت ہے، تبھی مذہب و تہذیب کے مدعی بھی حقوق نسواں کی تحریکوں کو سپورٹ کر سکتے ہیں، ورنہ سچ یہ ہے کہ مغرب کے بے لگام کلچر کو دیکھ دیکھ کر چوکنا ہو رہے لوگ، خواتین اور بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم و ترقی سے متعلق منفی سوچ میں مزید پختہ اور جری ہوتے جائیں گے اور اُن کی اِس پختگی اور جرأت کا ایک بڑا سبب حقوق نسواں کے علم برداروں کا غیر معتدل رویہ ہوگا۔

حقوق نسواں پر لکھی بعض کتابیں بھی بڑی جارحانہ طرز تحریر کے ساتھ مارکیٹ میں موجود ہیں جن پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض مصنفائیں شدید احساسِ کم تری کا شکار ہیں، نتیجے کے طور پر اب وہ اتنی زیادہ برہم ہیں کہ اگر اُن کی چلے تو وہ مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنا کر ہی دم لیں، عورت کی چوڑی، چٹیا، کنگن مرد کو پہنا دیں اور مرد کی داڑھی، موچھیں عورت پر سجا دیں اور اِس طرح مردوں سے اُن کے اب تک کے سماجی غلبے اور تشدد کا بدلا لے کر اپنی فتح مندی کا جشن منائیں، یعنی مرد و عورت کے معاشرتی وجود سے تشکیل پانے والے معاشرہ کے غیر متوازن ترازو کے پلوں کو صحیح توازن عطا کرنے کا مقدس جذبہ اُن میں نہیں بلکہ انتقاماً مرد کو وضیع اور عورت کو رفیع کر کے ترازو کو پہلے ہی کی طرح غیر متوازن رکھنے کا نفسانی غلبہ اُن میں موج زن ہے، یعنی بعض قلم کاراؤں میں اصلاح کا جذبہ کم، انتقام کا جذبہ زیادہ ہے، حُبِ علی کم بغضِ معاویہ زیادہ ہے، سماج سے ظلم دور نہ بلکہ اب تک کا ظالم اب مظلوم بن جائے اور اب تک کا مظلوم اب ظالم بن جائے۔ لیکن کاش اُنہیں معلوم ہو کہ یہ جذباتیت خود عورتوں کے حق میں بھی مضر ہے، جو لوگ خدمتِ خلق اور اصلاحِ سماج کی پاکیزہ نیت سے حقوق نسواں کے تحفظ کی نداؤں اور خواتین کی بہتر تعلیم و ترقی کی صداؤں کی بازگشت بننا چاہیں گے، وہ جذباتیت و جارحیت کے اِن

بھڑکتے نظریاتی شعلوں کو دیکھ کر مزید دو قدم پیچھے چلے جائیں گے، لہٰذا ضرورت اعتدال و سنجیدگی کی ہے، جذباتیت و جارحیت کی نہیں۔

آخر میں بناتِ حوا سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنی بہتر تعلیم و ترقی اور روشن مستقبل کے لیے واقعی سنجیدہ ہوں، تعلیم سے اپنے ذہن و فکر کو ترقی دیں، اپنی فطری لیاقتوں کو صیقل کریں، اپنے آپ میں جینے کا حوصلہ اور اعتماد پیدا کریں اور اِس طرح اپنی علمی و فکری شخصیت کی تشکیل کریں، مگر یاد رکھیں کہ بہتر تعلیم و ترقی یا روشن مستقبل کے اپنے محترم مفاہیم ہیں، جن کا مطلب ہرگز ہرگز نہ عریانیت ہے، نہ جنسی بے راہ روی، نہ مردوں کے اسلوبِ حیات کی اپنی زندگی میں بے کم و کاست تنفیذ محض، یوں بھی دوسرے کی طرح بننا ترقی نہیں، تبدیلی ہے، جب کہ کسی صنف کی کامل ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے تمام تر فطری اوصاف اور طبعی کمالات کے ساتھ ترقی کرے، تو خواتین کی کامل ترقی کا لازمی جز یہ ہے کہ اُن کی عصمت و حرمت بھی ترقی کر کے مزید محفوظ و محترم ہوتی جائے، کہا جاتا ہے کہ حیوانوں کے اندر جنسی خواہشات ہیں مگر عقل و شعور نہیں اور فرشتوں کے اندر عقل و شعور ہے مگر جنسی خواہشات نہیں، جب کہ انسان دونوں نعمتوں کا متحمل ہے، تو ایک انسان اگر اپنی جنسی خواہشات کو عقل و شعور کے تابع کر لے تو فرشتوں سے افضل بن جاتا ہے اور اگر عقل و شعور کو جنسی خواہشات کے تابع کر لے تو حیوانوں سے بدتر بن جاتا ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ حیوانیت سے بچے اور اپنے اندر فرشتہ صفتی پیدا کرے، کہ یہی مقصودِ زندگی اور معراجِ انسانی ہے۔

لڑکیوں کو یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ سماج نے اب تک جو اُن کے خلاف بہت سی سخت پابندیاں لگا رکھی ہیں، اِس میں سماج کی جہالت کے بعد دوسرا بڑا سبب خود اُن کا غیر ذمے دارانہ کردار و عمل رہا ہے، ہم موجودہ دور کی بات کریں تو سب کو موردِ الزام نہیں

ٹھہراتے مگر تعلیم و ترقی کے نام پر گھر سے باہر نکلنے والی بعض لڑکیاں بسا اوقات اپنے ماں باپ کے پاکیزہ اعتماد کو ٹھیس پہنچا دیتی ہیں، اِس لیے لڑکیوں سے متعلق جابرانہ فیصلے لینے میں معاشرہ یک گونہ معذور بھی ہے، مگر چونکہ لڑکیوں کے حقوق کی بلا سبب پامالی زیادہ ہے، اِس لیے عموماً بحث اُن کے حقوق پر زیادہ اور ذمے داریوں پر کم ہوتی ہے، مگر اِس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ وہ ذمے داریاں کم اہم ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اگر موجودہ دور کی لڑکیاں گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھنے کے بعد غیروں سے اختلاط کے وقت اپنی مذہبی و اخلاقی ذمے داریوں کو محسوس کرنے لگیں اور گھر کی طرح اپنے باہر کے کردار و عمل کو بھی پاکیزہ رکھنے کا حلف اٹھا لیں تو اُن کے مختلف طرح کے حقوق کے تحفظ کے لیے اِس سے بڑھ کر نہ کوئی تدبیر کارگر ہوسکتی ہے، نہ کوئی تحریر، نہ کوئی تحریک، ہمارے خیال میں یہ چیز مثبت ترین بھی ہے اور مؤثر ترین بھی اُس وقت لڑکیوں کو پڑھنے اور آگے بڑھنے کے نہ صرف زیادہ سے زیادہ زریں مواقع نصیب ہوں گے، بلکہ امید ہے کہ اُن کے ماں باپ بھی اپنے کاندھوں سے بڑی ذمے داری کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے قدرے فرحت محسوس کریں گے، کیوں کہ معاشرہ میں سب ہی لوگ ایسے نہیں کہ جو لڑکیوں کو صنفِ حقیر سمجھ کر تعلیم و ترقی سے روکتے ہیں، نہ ہی معاشرہ کے سب لوگ ایسے ہیں جو اپنی بیٹیوں کی تعمیرِ شخصیت کی فکر نہیں رکھتے اور اُن پر پیسہ خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں جتا پاتے، یعنی ایسا نہیں کہ معاشرہ میں اچھے لوگ نہیں، لیکن بات اُن کا اعتماد جیت لینے کی ہے، حصولِ مقصد کی سعی میں اخلاصِ نیت کا تقاضا یہی ہے، لڑکیوں کو یہ اصول بہر حال مان کر چلنا چاہیے کہ دنیا میں ساری خوشیاں کسی کو نہیں ملتیں، یقیناً کچھ خوشیاں حاصل کرنے کے لیے کچھ دیگر کو ترجیحات کو ترک کرنا پڑے گا، کامیابی حقیقتاً قربانی چاہتی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ عصری جامعات اور بڑے تعلیمی اداروں کی طالبات یہ کام

بہتر طریقے پر کرسکتی ہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ اُنہیں اپنے آزاد تعلیمی اوقات میں اِس کا احساس ہو کہ جہاں ایک طرف اُن کی ہر ہر نقل و حرکت پر معاشرہ کی نظر ہے اور معاشرہ اُن کے خراب یا اچھے رویوں سے نتائج اخذ کر کے گھر کی خواتین و بنات سے متعلق اپنی مثبت یا منفی سوچ بناتا ہے، وہیں دوسری طرف اُنہیں اپنی اُن بہت سی بہنوں کے مستقبل سے بھی براہ راست دلچسپی و ہمدردی ہے جو غیر شعوری طور پر ابھی تک اِس انتظار میں بے تعلیم گھر بیٹھی ہیں کہ کب بڑے عصری اداروں میں پڑھ رہیں اُن کی بڑی بہنیں معاشرہ سے اپنی عصمت و حرمت کے سچے تحفظ کا اقرار کروائیں اور کب وہ گھر اور معاشرہ کی روایتی بندشوں میں ڈھیل پا کر پڑھنے کے لیے گھر سے باہر قدم نکالیں اور عظیم دینی و عصری اداروں میں جائیں۔ بہرحال مقصودِ تحریر یہ ہے کہ فی زمانہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم و ترقی بھی نہایت ضروری ہے اللہ تعالیٰ بناتِ حوا کی ایسی دینی و عصری اعلیٰ تعلیم و تربیت و ترقی پر توجہ دینے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ جس سے دین و مذہب کی پاس داری بھی متاثر نہ اور نہ مشرقیت کا دامن ہمارے ہاتھوں سے چھوٹے۔ آمین۔